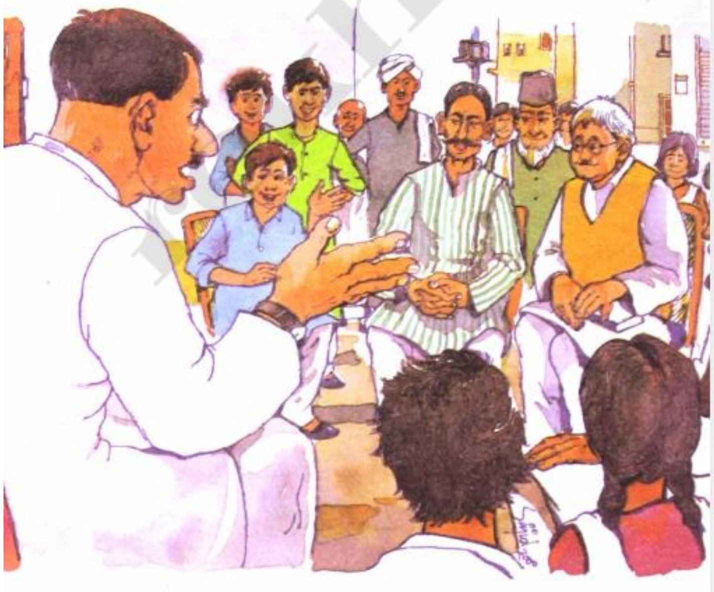
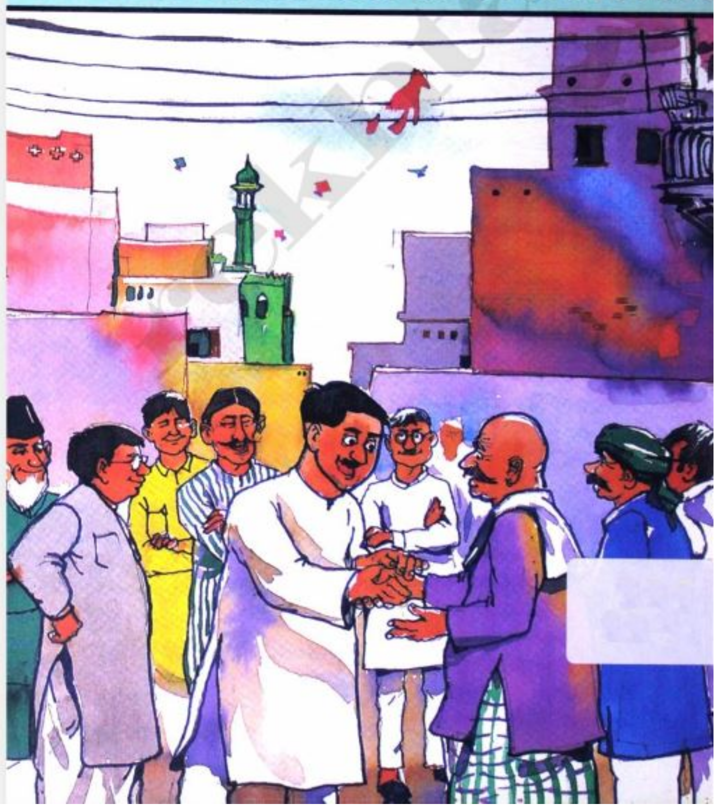
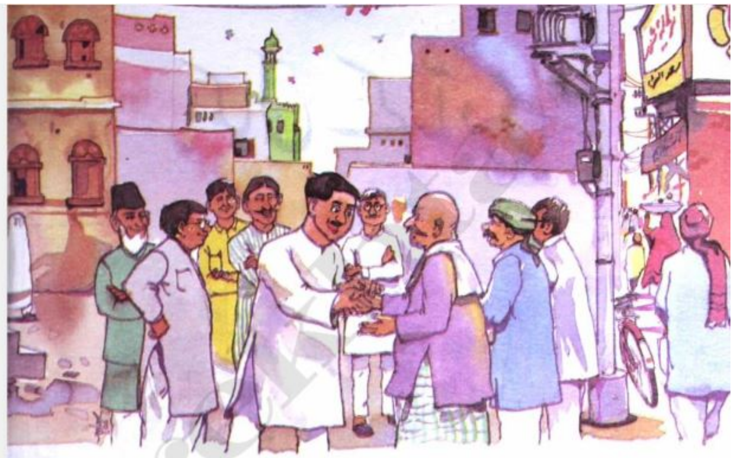
کمال کے آدمی



رضا علی عابدی

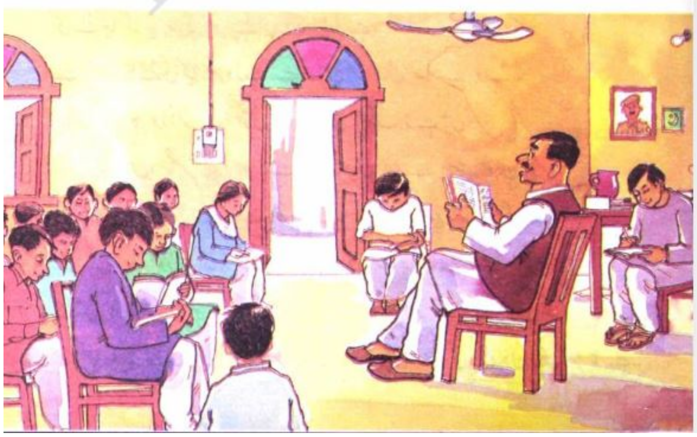
کمال کے آدمی

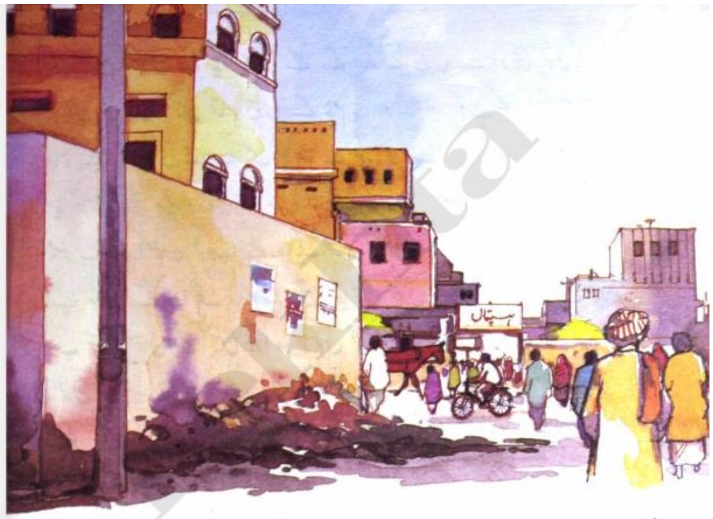




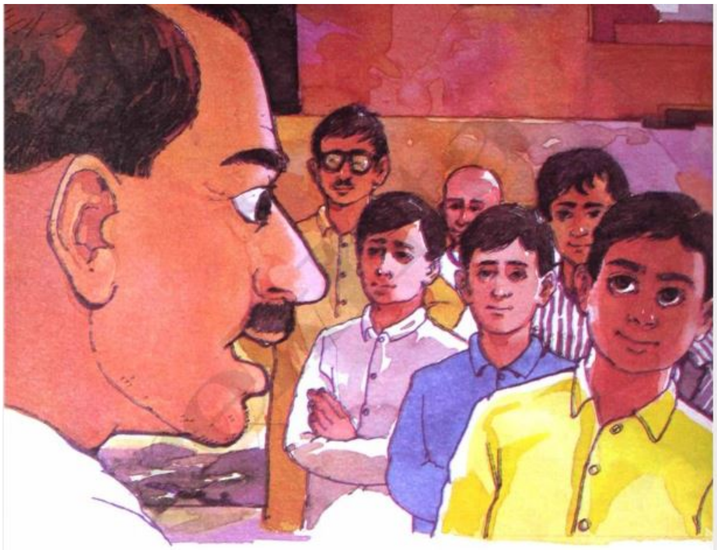
اُن کا نام ہی کمال نہیں تھا۔ وہ آدمی بھی کمال کے تھے۔
سُنا ہے پرانے فوجی تھے۔ فوج سے ریٹائر ہو کر وہ کہیں سمندر پار چلے گئے۔
لیکن جب وہاں کی زندگی سے اکتا گئے تو اپنے وطن لوٹے اور
ہمارے ہی محلے میں آباد ہوئے۔ ان کے آنے سے ہمارا محلّہ آباد ہوگیا۔
انہوں نے آتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ علاقے کے ہر آدمی سے ملنے گئے۔
وہ کہتے کہ میل ملاپ سے اچھی کوئی چیز نہیں۔
بہت ضروری ہے کہ ہم سب ایک دوسرے کی خبر رکھیں اور
وقت پڑے تو ایک دوسرے کے کام بھی آئیں۔

دوسرا کام اُنہوں نے یہ کیا کہ محلّے کے سارے بچوں سے دوستی کرلی۔
دو دن ہی میں انہیں تمام بچوں کے نام یاد ہوگئے اور کون کس اسکول میں
جاتا ہے، کون سی جماعت میں پڑھتا ہے اور فرصت کے وقت میں
کیا کرتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ کمال صاحب کو سب معلوم ہوگیا۔
میٹرک کے امتحان قریب تھے۔ ایک شام کیا دیکھا کہ
اپنے مکان کے ڈرائنگ روم میں تیس چالیس بچوں کی کلاس لگائے بیٹھے ہیں۔
جب تک امتحان ختم نہیں ہوا وہ لڑکوں لڑکیوں کو پڑھاتے رہے اور
امتحان ختم ہوتے ہی انہوں نے اعلان کردیا۔
"چلو بھئی۔ اب سب مل کر اپنے علاقے کو سدھاریں اور سنواریں۔"

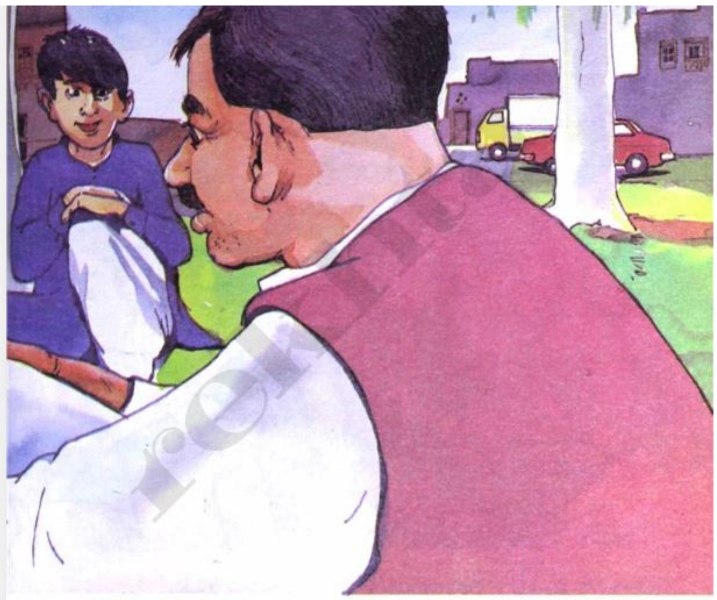




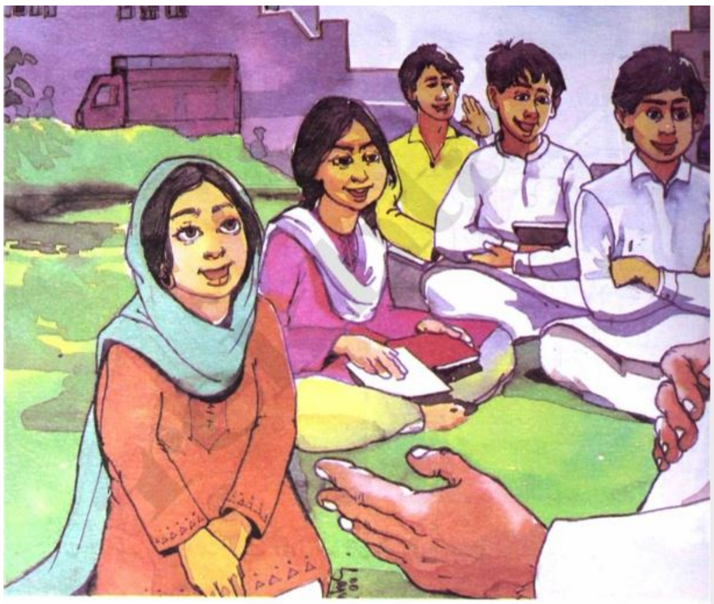
کسی نے کہا کہ یہ علاقہ تو پہلے ہی اِتنا اچھا ہے،
اسے بہتر بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر کمال صاحب بولے۔
"لوگ گھر کا کوڑا کرکٹ پچھلی گلیوں میں پھینک رہے ہیں،
نالیاں بند ہیں، مچھر پیدا ہو رہے ہیں، مکھیاں ہمارے دستر خوان پر
حملے کر رہی ہیں، لڑکے رات دو دو بجے تک سڑک پر روشنی کر کے
کھیلتے ہیں اور شور مچا کر رات بھر سارا علاقہ سر پر اُٹھائے رکھتے ہیں،
محلے میں جو دو چار ہوٹل ہیں وہ نہ صرف پیاز اور آلو کے چھلکے بلکہ
بچا کھچا کھانا کوڑے کے ڈھیر پر پھینک جاتے ہیں، جو کئی دن تک سڑتا ہے۔



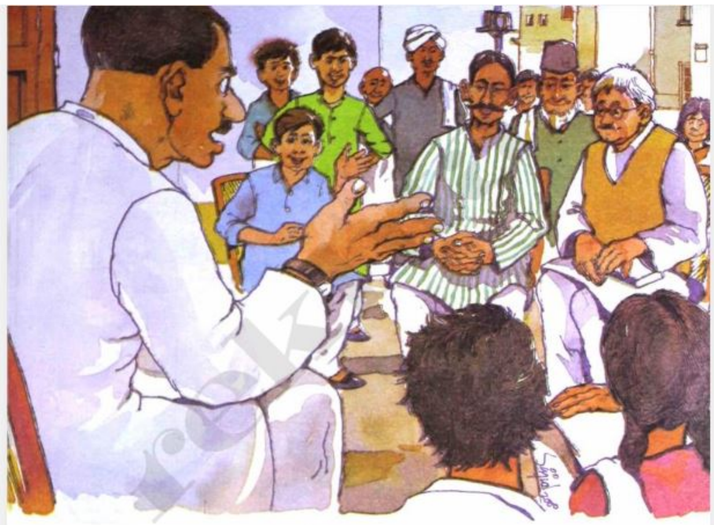
اس کے علاوہ ہماری سڑک سے گزرنے والی گاڑیاں
دائیں بائیں کا خیال رکھے بغیر اور پیدل چلنے والوں کو راستہ دیئے بغیر
دوڑتی ہوئی گزر جاتی ہیں۔ پھر غضب یہ کہ ہمارا اِتنا اچھا ہسپتال ہے
جس میں ہر طرح کے مریض داخل ہوتے ہیں لیکن موٹر گاڑیوں والے
ہسپتال کے سامنے زور زور سے ہارن بجاتے ہیں اور
مریضوں کے آرام کا خیال نہیں رکھتے۔ اب بتاؤ یہ علاقہ کتنا اچھا ہے؟"



ایک لڑکا بولا۔"ارے۔ یہ ساری باتیں تو ہم نے کبھی سوچی بھی نہیں۔
اب یوں لگ رہا ہے کہ اس علاقے کے سنوارنے کی سخت ضرورت ہے۔"
دوسرا لڑکا بولا۔"واقعی۔" تیسرے نے کہا۔"صرف واقعی کہنے سے کام نہیں چلے گا۔"
چوتھا بولا۔ "کیوں نہ ہم سب مل کر محلے کی حالت بہتر بنائیں۔"
ایک لڑکی نے کہا۔ "مگر یہ سارے کام تو حکومت کے ہیں۔ اس کا فرض ہے کہ
اس ایک علاقے ہی کو نہیں، سارے شہر کو ٹھیک کرے۔"

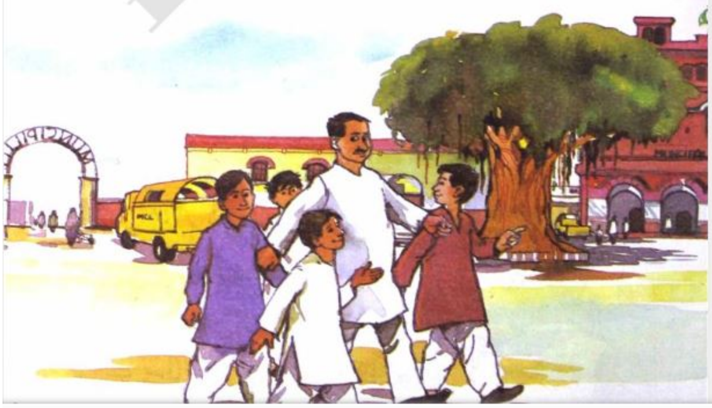


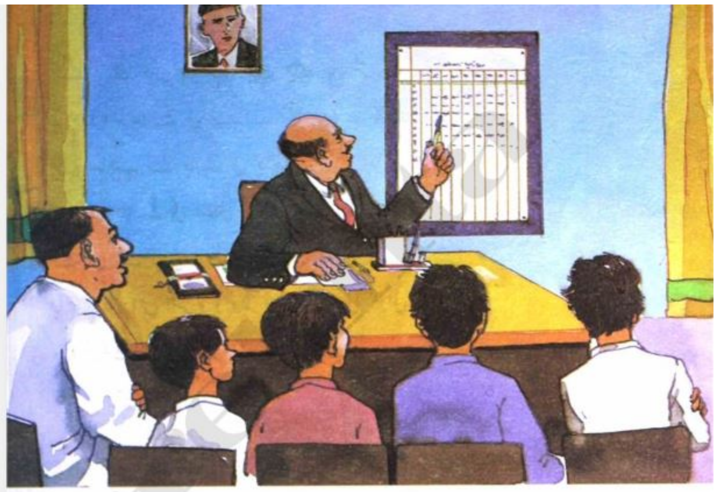
اب کمال صاحب بولے۔ "ہاں بیٹی ، تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ لیکن سوچو کہ
حکومت کِس کِس بات کا خیال رکھے، کِس کِس کے پیچھے دوڑے۔
ہمارا بھی تو فرض ہے کہ جو سہولتیں ہمیں مل رہی ہیں
ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں اور مل جُل کر اور
لوگوں کو سمجھا بجھا کر اپنے علاقے کو ٹھیک رکھیں۔"



اس پر ایک لڑکا بولا۔ ”چلیئے ہمارا محلّہ اس طرح ٹھیک ہو جائے گا لیکن
باقی شہر کا کیا ہوگا۔ اس کی حالت تو خراب ہی رہے گی۔“
کمال صاحب ہنسے اور بولے۔
”بات تو تم ٹھیک کہتے ہو لیکن ہم نے سنا ہے کہ خربوزے کو دیکھ کر
خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دیکھا دیکھی
دوسرے علاقوں کے لوگ بھی اپنے محلّوں کو بہتر بنالیں۔“
سب ایک ساتھ بولے۔ ”ٹھیک تو ہے۔“ بس پھر کیا تھا۔ فوراً ہی جلسہ ہوا،
فیصلے کیئے گئے اور اگلی ہی صبح سے کام شروع کرنے کی ٹھان لی گئی۔

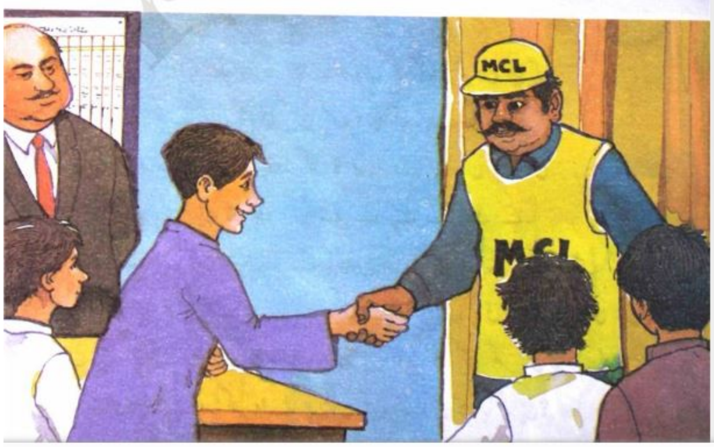
آگے آگے کمال صاحب، پیچھے پیچھے چار لڑکے،
یہ پورا وفد علاقے کی بلدیہ کے دفتر میں جا پہنچا۔
کمال صاحب نے جاتے ہی پوچھا۔
”ہمارے علاقے کی صفائی ستھرائی کا ذمے دار کون سا افسر ہے؟“
اگلے ہی لمحے یہ پورا وفد صحت اور صفائی کے شعبے میں
جا پہنچا اور اس افسر کو ڈھونڈ نکالا، جس کی نگرانی میں
کوڑا کرکٹ اُٹھانے والا عملہ کام کرتا ہے۔

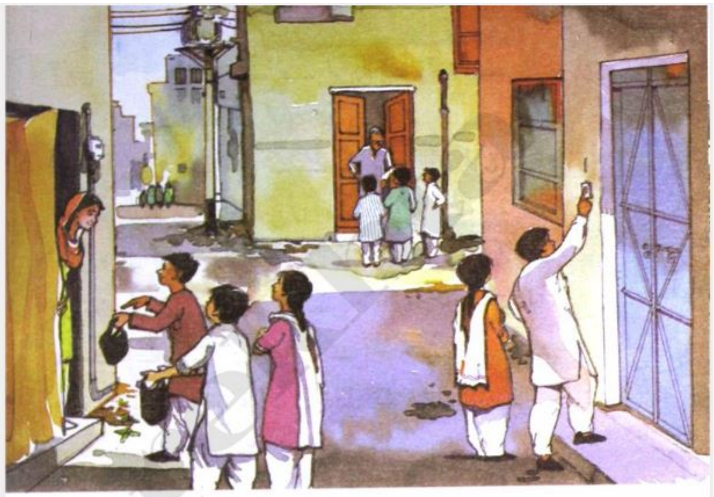




ایک لڑکے نے بات شروع کی۔ "آج پانچ دن ہوگئے ہیں،
کوڑا اُٹھانے والی گاڑی اور عملہ ہمارے علاقے میں نہیں آیا ہے۔"
افسر نے دیوار پر لگا ہوا بڑا سا چارٹ دیکھتے ہوئے کہا۔
"لیکن اس عملے کو تو ہر دوسرے دن آپ کے علاقے میں آنا چاہئے۔"
لڑکوں نے نفی میں سر ہلادیئے۔
"اچھا!" افسر بولے۔ "میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔"
کہیں سے صفائی کے نگران کرم داد کو بلایا گیا۔

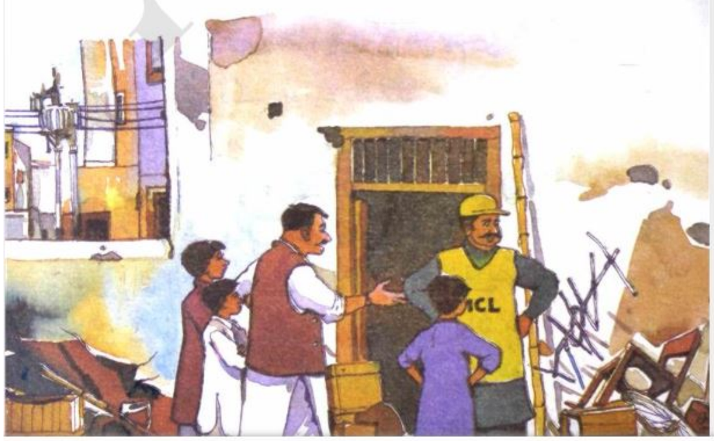
لڑکوں نے اپنی کرسیوں سے اُٹھ کر کرم داد سے ہاتھ ملائے۔
کمال صاحب نے اپنا تعارف کرایا۔ تب پتہ چلا کہ
جن علاقوں میں لوگ صفائی کے عملے کے ساتھ اچھی طرح
پیش نہیں آتے اور اس سے خوش اخلاقی سے نہیں ملتے،
صفائی کا عملہ بھی ان کے علاقوں میں جی لگا کر صفائی نہیں کرتا۔
اس روز دفتر میں اس پورے وفد نے کرم داد کو کرم داد صاحب کہا اور
رخصت ہوتے ہوئے بھی گرم جوشی سے ہاتھ ملائے تو
وہیں طے پا گیا کہ صفائی کا عملہ اپنی ڈیوٹی کے مطابق
ہر دوسرے روز ان کے محلے میں آیا کرے گا۔





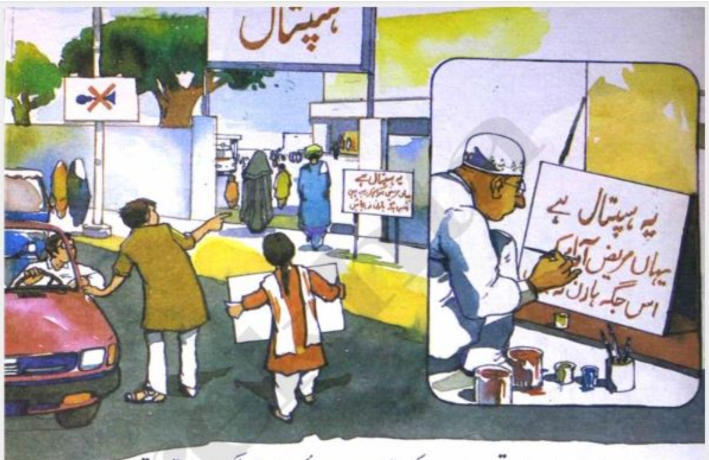
اب لڑکوں لڑکیوں نے گھر گھر جا کر لوگوں کو سمجھانا شروع کیا کہ
کوڑا کرکٹ اُٹھانے والی گاڑی کِس کِس دن آیا کرے گی
اور لوگوں کو چاہئے کہ اس روز گھر کا سارا کوڑا کباڑ دن نکلتے ہی
اس جگہ رکھ دیا کریں جو جگہ اس کے لئے پہلے سے طے ہے۔
کمال صاحب نے بھی ہر ایک سے بات کی۔ پتہ چلا کہ کچھ گھروں میں
پرانا فرنیچر پڑا پڑا خراب ہو رہا ہے، کہیں بیکار مشینیں پڑی زنگ کھا رہی ہیں،
کہیں پھٹے پرانے کپڑوں کی پوٹلیاں پڑی ہیں اور کسی کسی گھر میں تو
پرانا سامان پڑا ہے اور گھر والے پریشان ہیں کہ اس کا کیا کریں؟

کمال صاحب نے یہ ساری بات کرم داد کو بتائی۔ انہوں نے کہا کہ
ہمارے آدمی یہ ساری چیزیں خوشی خوشی لے جائیں گے
اور انہیں بیچ کر تھوڑا بہت پیسہ کمالیں گے۔
کوڑا کباڑ اُٹھانے والے بھی اتنے خوش ہوئے کہ
انہوں نے علاقے میں دل لگا کر صفائی شروع کردی۔
وہ ہر دوسرے دن باقاعدگی سے آنے لگے۔ دیکھتے دیکھتے پورا علاقہ
صاف ستھرا ہوگیا۔ ایک دن محکمہ صحت والے معائنے کے لئے آئے تو
صفائی دیکھ کر حیران رہ گئے اور کہنے لگے کہ اس طرح تو یہ شہر کا سب سے
صاف ستھرا علاقہ بن جائے گا۔ کسی نے کہا۔ "بن جائے گا نہیں۔ بن چکا ہے۔"





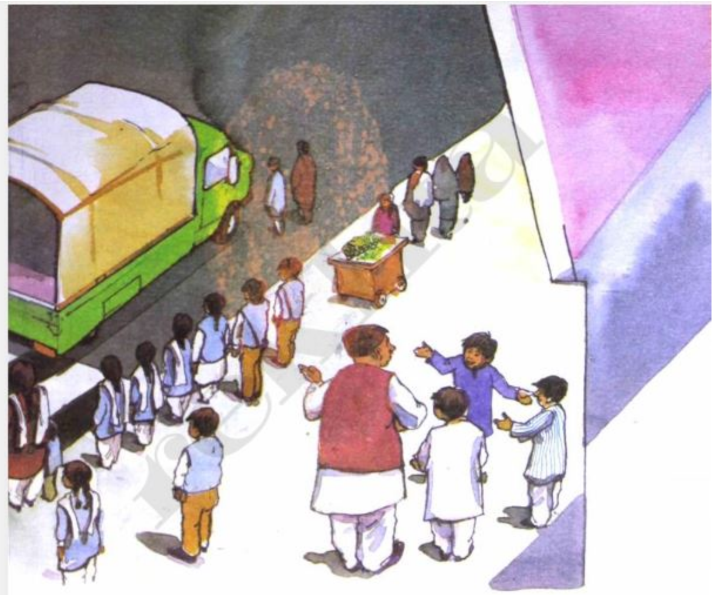
ہوا یہ کہ علاقے کو صاف ستھرا بنانے کے اس کام میں
کرم داد بھی شامل ہوگئے۔ وہ ایک روز ٹرک بھر کر چونا لائے
اور تمام پچھلی گلیوں اور ان کی نالیوں کی صفائی کرنے کے بعد
ہر طرف چونا چھڑکا گیا۔ دیکھتے دیکھتے علاقے سے مچھروں اور
مکھیوں کا صفایا ہوگیا۔ اب مسئلہ تھا علاقے سے گزرنے والی موٹر گاڑیوں کا۔
سوال یہ تھا کہ گاڑیاں چلانے والوں کو کیسے سمجھایا جائے کہ
ہسپتال کے سامنے سے گزرتے ہوئے ہارن نہ بجائیں۔
کمال صاحب تو علاقے کے سارے ہی لوگوں کو جانتے تھے۔
انہوں نے ہر ایک سے پوچھنا شروع کیا کہ گاڑیوں کو کیسے خاموش رکھا جائے۔



وہیں رہنے والے فاروقی صاحب کی دُکان پر سائن بورڈ لکھے جاتے تھے۔
وہ پہلے ہی صفائی ستھرائی سے بہت خوش تھے۔ انہوں نے اپنے آدمیوں سے
بہت سے بورڈ تیار کرائے جن پر لکھا تھا:

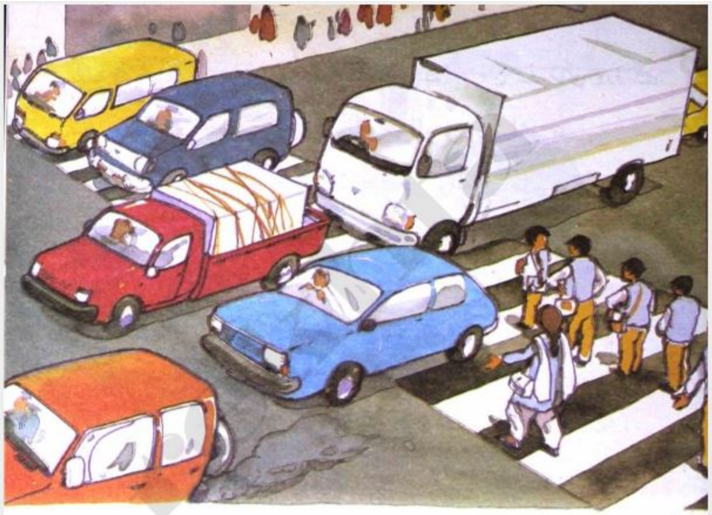
یہ ہسپتال ہے
یہاں مریض آرام کر رہے ہیں
اس جگہ ہارن نہ بجائیے

اب یہ بورڈ ہسپتال کے سامنے سارے کھمبوں پر لگا دیئے گئے۔
اس کے بعد محلے کے بچوں نے آتی جاتی گاڑیوں پر نگاہ رکھنی شروع کی اور
اِدھر کسی نے ہارن بجایا، اُدھر بچوں نے اسے ٹوکا۔ لوگوں نے دیکھا کہ
گاڑیاں چلانے والے خیال رکھنے لگے اور سڑک پر ہارن بجنے بند ہوگئے۔



کمال صاحب نے لڑکوں سے کہا کہ اگر یہ طریقہ کامیاب ہو سکتا ہے تو کیوں نہ ایک اور کام کر کے دیکھا جائے۔ ٹریفک والوں نے اسکول کے سامنے سڑک پر چوڑی چوڑی سفید پٹیاں کھینچ کر زیبرا کراسنگ بنائی، تاکہ لوگوں کو اس کا استعمال سکھایا جائے۔

اس پر ایک لڑکے نے ان سے پوچھا۔ "یہ زیبرا کراسنگ کیا بلا ہے۔ میں خود حیران ہوں کہ سڑک پر یہ سفید پٹیاں کیوں بنائی گئی ہیں؟"



انہوں نے کہا۔ "اگرچہ سڑک گاڑیوں کے لئے ہوتی ہے اور فٹ پاتھ پیدل چلنے والوں کے لئے۔ لیکن کہیں کہیں تو پیدل چلنے والوں کو سڑک پار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بس ان کا راستہ بنانے کے لئے یہ زیبرا کراسنگ بنائی جاتی ہے۔ اس پر پیدل چلنے والوں کا حق ہوتا ہے۔ اگر وہ یہاں کھڑے سڑک پار کرنے کا انتظار کر رہے ہوں تو موٹر گاڑی والوں کا فرض ہے کہ رُک کر انہیں گزرنے دیں۔"

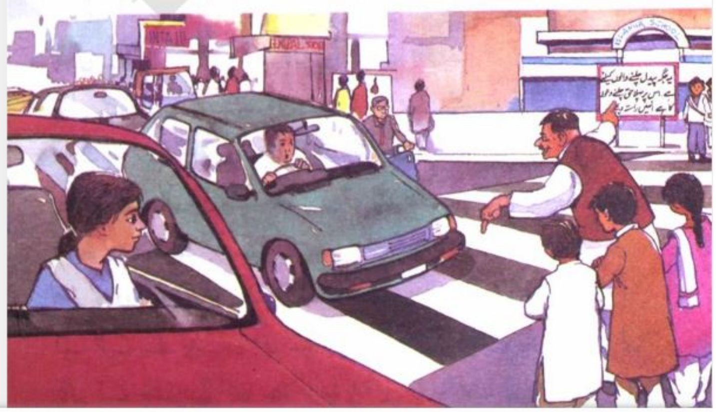
ایک لڑکے نے کہا۔ "شاید اسی لئے یہ دھاریاں اسکول کے سامنے کھینچی گئی ہیں تاکہ آتے جاتے بچے یہیں سے سڑک پار کیا کریں۔"

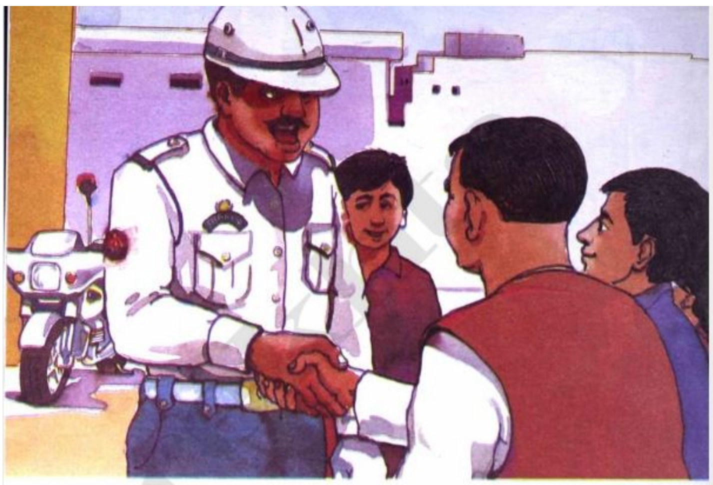
اِس بار پھر فاروقی صاحب مدد کو آئے۔ ان کے آدمیوں نے سائن بورڈ لکھے:

یہ جگہ پیدل چلنے والوں کے لئے ہے
اس پر پہلا حق چلنے والوں کا ہے
انہیں راستہ دیجئے

شروع شروع میں تو یوں لگا جیسے موٹر گاڑیاں چلانے والوں کو پڑھنا ہی نہیں آتا۔ لیکن جب کمال صاحب اور ان کے کم سن رضاکاروں نے ڈرائیوروں کو روک روک کر سمجھانا شروع کیا تو لوگ بھی عمل کرنے لگے۔

اس کے بعد تو یہ ہوا کہ جب اسکول میں چھٹی ہوتی اور بچے باہر نکل کر سڑک پار کرتے تو ساری ٹریفک خود ہی رُک جاتی۔

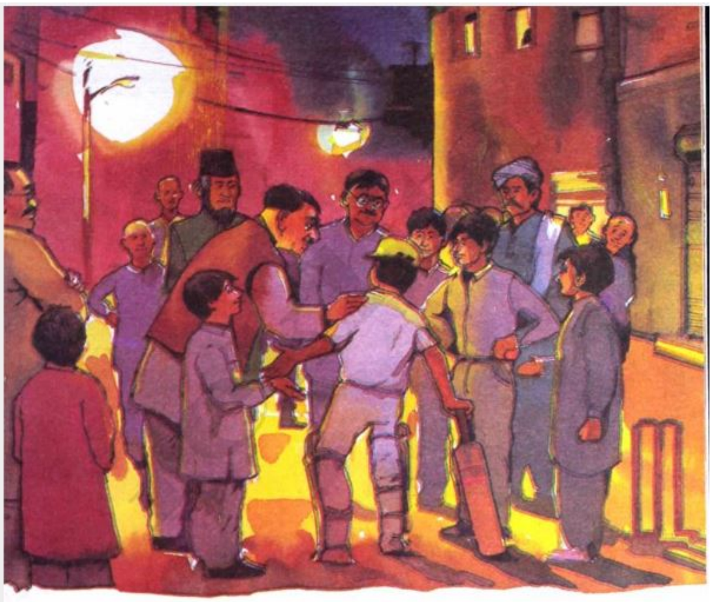




ایک روز ٹریفک پولیس والے کمال صاحب کا شکریہ ادا کرنے آئے۔

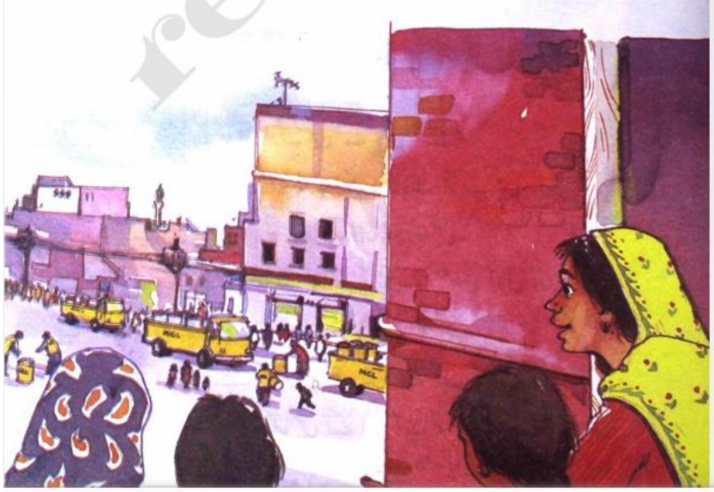
کمال صاحب، اور ان سے بھی زیادہ ان کے ننھے مددگار ٹریفک والوں کے پیچھے پڑ گئے کہ وہ سڑک کے بیچوں بیچ موٹی سی سفید دھاری کھینچیں تاکہ کاریں چلانے والوں کو احساس رہے اور وہ دھاری پار کر کے سڑک کی دائیں جانب نہ جائیں۔

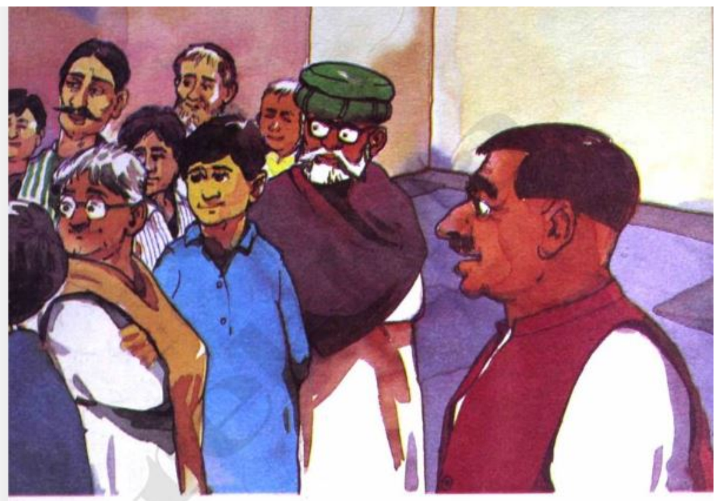
علاقے کے سارے ہی لوگ ان باتوں سے خوش تھے۔



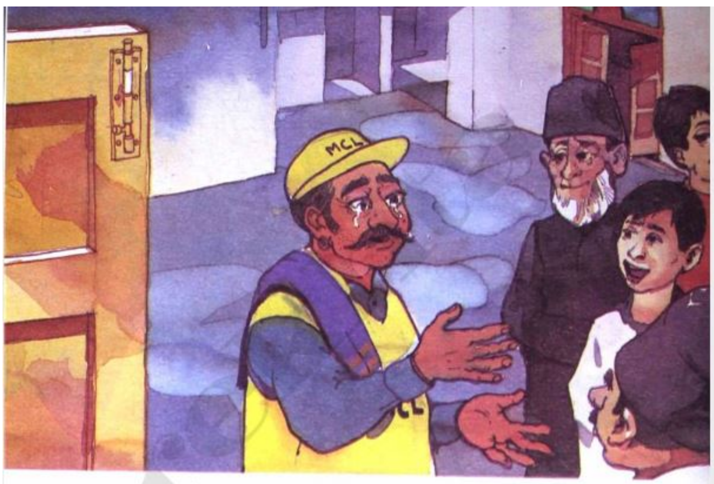
بہت سے لوگ کمال صاحب کی مدد کو آگئے۔ ان میں سے کئی ایسے تھے
جن کے لڑکے رات کو سڑک پر روشنیاں لگا کر دیر تک کھیلا کرتے تھے۔
لوگوں کا سونا، بوڑھوں کا آرام کرنا اور طالب علموں کا پڑھنا لکھنا مشکل ہو گیا تھا۔
کوئی جاکر انہیں منع کرتا یا سمجھانے کی کوشش کرتا تو لڑکے
مارنے مرنے پر آمادہ ہو جاتے۔ اس بار سارے محلے والے ان کے پاس گئے۔
ان میں کئی ان لڑکوں کے والدین بھی تھے۔ انہیں بٹھا کر پیار سے سمجھایا گیا۔
لڑکے مان گئے اور اس کے بعد رات رات بھر کا شور شرابہ بند ہوگیا۔

ایک دن کیا دیکھا کہ بلدیہ کے ٹرک چلے آرہے ہیں اور ان پر
ٹین کے بڑے بڑے ڈرم لدے ہوئے ہیں۔ یہ کوڑے دان تھے
اور علاقے کے لئے بلدیہ کا تحفہ تھے۔
اب تو سارے شہر میں کمال صاحب اور
ان کے کم سن رضاکاروں کی دھوم مچ گئی۔
دوسرے علاقے کے لوگ آکر ان سے پوچھنے لگے کہ
وہ سب اپنے اپنے علاقوں کو کیسے سنواریں اور لوگوں کی بگڑی ہوئی
عادتیں کیسے ٹھیک کریں۔

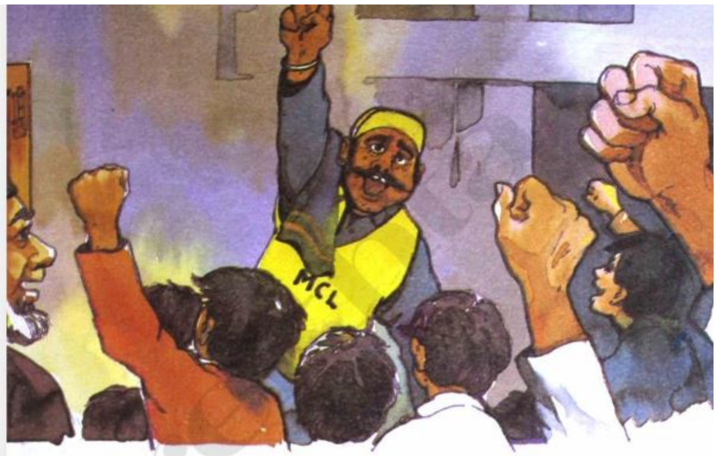




اس کے بعد شہر کے با اثر لوگ ان کے پاس آئے اور
کمال صاحب سے کہنے لگے کہ بلدیہ کے انتخابات قریب ہیں،
کیوں نہ آپ اس کے سربراہ کے امیدوار بن جائیں۔
خود کمال صاحب کہنے لگے۔ ”اجی صاحب، میں تو معمولی آدمی ہوں،
اب بوڑھا ہو رہا ہوں اور یہ جو کچھ ہوا ہے یہ تو سب
ان نوجوانوں کا کمال ہے۔“ اس پر ان میں سے ایک نوجوان بولا۔
”اپنا اصل کمال تو ہم اب دکھائیں گے اور آپ کو بلدیہ کے الیکشن میں
کامیاب کرائیں گے۔ بس آپ ہاں کر دیجئے۔“



اچانک کمال صاحب کی نگاہ کرم داد پر پڑی جو وہیں مجمع کے درمیان کھڑے تھے۔
کمال صاحب بولے۔ ”کرم داد، آپ کیا کہتے ہیں؟“
سارے مجمع نے پلٹ کر کرم داد کو دیکھا۔ سب کی نگاہیں ان پر جمی تھیں۔
ہر ایک خاموش ہو گیا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ بس اب سارا فیصلہ
کرم داد کے ہاتھ میں ہے۔ کرم داد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ بولے۔
”اجی صاحب، کہاں تو لوگ مجھے جمعدار اور خدا جانے کیا کیا کہتے تھے،
کہاں آج آپ اتنا بڑا فیصلہ مجھ پر چھوڑ رہے ہیں۔
میں غریب آدمی کیا کہہ سکتا ہوں؟“



سارے نوجوان ایک ساتھ بولے۔

"کرم داد صاحب۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

ایک بڑے میاں نے کہا۔"کرم داد صاحب۔ ہم آپ کی بڑی عزت کرتے ہیں۔"

کمال صاحب نے کہا۔"اتنی ہی عزت کرتے ہیں کہ آج بلدیہ کے اگلے الیکشن کا فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

"یہ بات ہے؟" کرم داد بولے۔"یہ بات ہے تو میرا فیصلہ سن لو۔ لو بھئی لڑکو! میرے ساتھ تم سب بھی بولو۔۔۔

اور یہ کہہ کر کرم داد نے نعرہ لگایا۔"کمال صاحب۔۔۔

اور کمال صاحب کے سوا سارا مجمع چلّایا۔ "زندہ باد۔"

کمال کے آدمی

بچوں کو بہتر، باشعور اور مفید شہری بنانے کے لئے ضروری ہے کہ انہیں بہتر تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ اپنے ماحول، صحت و صفائی اور ٹریفک جیسے روزمرہ کے مسائل سے واقفیت اور عملی کام کروائے جائیں۔ تاکہ بچے اور بچیاں اپنے اردگرد کے ماحول اور مجموعی طور پر ملک کی بہتری کے لئے عملی طور پر کچھ مثبت کام کر سکیں۔

زیرِ نظر کتاب بھی اسی مقصد کے لئے ایک دلچسپ کہانی کی صورت میں پیش کی گئی ہے۔ بچوں کی دلچسپی کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کتاب میں رنگا رنگ تصویروں کی مدد بھی لی گئی ہے۔ یقیناً رضا علی عابدی کی اس تحریر کو ساجد قریشی کی تصاویر نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔

اُمید ہے کہ یہ کتاب بچوں، اساتذہ اور والدین کے لئے ایک بہترین مددگار کتاب ثابت ہو گی۔

www.sangemeel.com
ISBN-10:969-35-1121-2
ISBN-13:978-969-35-1121-5
9789693511215

سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور
Rs. 75.00